ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1961

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :تفسیر کے اسالیب و مناہج • (1961) سطح :بی ایس علوم اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر) 2 یونٹ 6 تا(9

کل نمبر 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

| 1تفسیر کا علمی) سائنسی (رجحان :مراد اور مفصل جائزہ (20) نمبر(

سوال نمبر1 ۔ تفسیر کے علمی) سائنسی (رجحان کی مراد واضح کرتے ہوئے اس رجحانِ تفسیر پر مفصل نوٹ تحریر کیجیے۔(20)

تعارف

قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے جو انسان کو کائنات میں غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں جب جدید سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی اور مغربی افکار مسلمانوں کے سامنے آئے تو بعض علماء و مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر میں سائنسی حقائق کو خصوصی اہمیت دینا شروع کی۔ انہوں نے کوشش کی کہ قرآنی آیاتِ کونیہ کی تشریح جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں کی جائے اور دکھایا جائے کہ قرآن کے اشارات سائنس سے ہم آہنگ ہیں۔ تفسیر کی تاریخ میں اسی منہج کو" علمی رجحان "یا" سائنسی رجحان "کہا جاتا ہے۔ یہ رجحان اپنے زمانے کے مخصوص علمی و تمدنی پس منظر کی پیداوار ہے اور اس پر اہل علم کے درمیان اختلاف بھی پایا جاتا ہے :کچھ اسے قرآن کے اعجاز

کا جدید ثبوت سمجھتے ہیں اور کچھ اسے قرآن کے بنیادی مقصد سے انحراف قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں اس رجحان کی مراد، اس کے اسباب، نمائندہ مفسرین، اس کے حق و مخالفت میں دلائل اور ایک متوازن جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

علمی) سائنسی (رجحان کی مراد

تفسیر کے علمی رجحان سے مراد قرآن مجید کی ان آیات کی تفسیر جدید سائنسی علوم کی روشنی میں کرنا ہے جن کا تعلق کائنات، انسان اور فطرت کے مظاہر سے ہے۔ اس رجحان کے حامل مفسر کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ قرآن نے چودہ سو سال پہلے ان حقائق کی طرف اشارے کیے تھے جنہیں سائنس نے آج دریافت کیا ہے، اس لیے سائنسی حقائق کی روشنی میں آیات کی تشریح سے قرآن کا اعجاز اور اس کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔ یہاں ایک اہم فرق ملحوظ رہے :ایک صورت یہ ہے کہ سائنسی حقیقت کو محض مثال یا توضیح کے طور پر ذکر کیا جائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ آیت کی مراد ہی کو سائنسی نظریے سے مقید کردیا جائے۔ علمی رجحان کی اصطلاح عمومی طور پر دوسری صورت اور اس کے اس وسیع منہج کے لیے استعمال ہوتی ہے جس میں پوری تفسیر کا رنگ سائنسی ہوجاتا ہے۔ اس رجحان کے نمائندہ مفسرین میں شیخ طنطاوی جوہری کی" الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم "سب سے مشہور مثال ہے، جبکہ ڈاکٹر زغلول نجار اور دیگر جدید مصنفین نے" الاعجاز العلمی "کے عنوان سے اسی رجحان کو آگے بڑھایا ہے۔

اس رجحان کے پیدا ہونے کے اسباب

علمی رجحان کئی اسباب کا نتیجہ تھا۔ پہلا سبب مغربی استعمار اور سائنسی ترقی کے سامنے مسلمانوں کا احساس کمتری تھا؛ جب مغرب نے اسلام کو سائنس کی دشمن مذہبیت کے طور پر پیش کیا تو مسلمان علماء نے دفاعی جذبے سے قرآن کو سائنس سے ہم آہنگ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ دوسرا سبب خود قرآن کی آیات کی دعوت تھی :قرآن بار بار کائنات، ستاروں، سمندر، پہاڑوں، بارش اور انسانی تخلیق میں غور کی ترغیب دیتا ہے، جسے ان مفسرین نے سائنسی تفسیر کی بنیاد قرار دیا۔ تیسرا سبب اٹھارویں و انیسویں صدی میں کائنات کے بارے میں ہونے والی بڑی دریافتیں تھیں جن کے مقابلے میں قدیم تفاسیر کے بعض بیانات سادہ معلوم ہونے لگے تھے۔ چوتھا سبب دعوتی تھا :جدید تعلیم یافتہ طبقہ صرف سائنس کی زبان سمجھتا تھا، لہٰذا اسے قرآن کی طرف راغب کرنے کے لیے سائنسی اسلوب اختیار کیا گیا۔ ان اسباب کی وجہ

سے یہ رجحان مصر، ہندوستان اور دیگر مسلم خطوں میں تیزی سے پھیلا اور بیسویں صدی کی تفسیری ادب کا نمایاں حصہ بن گیا۔

نمائندہ مفسرین اور ان کا منہج

اس رجحان کے سب سے بڑے نمائندے مصر کے شیخ طنطاوی جوہری) وفات1940 ء (ہیں۔ ان کی تفسیر" الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم "چھبیس جلدوں میں ہے جس میں انہوں نے آیات کی تفسیر کے ساتھ کائناتی مظاہر کی سائنسی تشریح، تصاویر اور تجرباتی معلومات بکثرت درج کی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ قرآن میں عقائد و احکام کی آیات سے کہیں زیادہ آیات کونیہ ہیں، اس لیے ان کی سائنسی توضیح ناگزیر ہے۔ اسی طرح محمد فرید وجدی نے بھی اپنے دائرۃ المعارف اور تفسیری مضامین میں جدید علوم سے استفادہ کیا۔ ڈاکٹر عبد الرزاق نوفل نے" القرآن والعلم الحدیث "جیسی کتب لکھیں اور ڈاکٹر زغلول نجار نے اعجاز علمی پر بڑے پیمانے پر کام کیا۔ برصغیر میں بھی بعض مصنفین نے اسی رنگ میں کتابیں لکھیں۔ ان مفسرین کے منہج کی خصوصیات میں آیات کی سائنسی مطابقت کا مظاہرہ، سائنسی اصطلاحات کا وسیع استعمال اور طبیعاتی و فلکیاتی مباحث کی تفصیل شامل ہے۔ اس منہج نے جدید تعلیم یافتہ قارئین کی ایک بڑی تعداد کو قرآن کی طرف متوجہ ضرور کیا، تاہم اس کے بعض پہلوؤں پر علمی تنقید بھی ہوئی۔

حامیوں کے دلائل

علمی رجحان کے حامیوں کا پہلا استدلال قرآن کی ان آیات سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" :سنریھم آیاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق) "فصلت(53 :۔ ان کے نزدیک یہ آیت اس بات کی بشارت ہے کہ مستقبل میں کائنات اور خود انسان کے بارے میں ایسی نشانیاں ظاہر ہوں گی جن سے قرآن کی حقانیت ثابت ہوگی، اور جدید سائنسی دریافتیں اسی کا مصداق ہیں۔ دوسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن نے جنین کی تخلیق کے مراحل، پہاڑوں کے زمین کو قرار دینے کے کردار اور سمندروں کے درمیان حائل رکاوٹ جیسے امور کا ذکر کیا ہے جو جدید تحقیقات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ تیسرا استدلال یہ ہے کہ سائنس مسلسل ترقی کرتی ہوئی قرآن کے قریب آتی جارہی ہے، یہ قرآن کے سچا ہونے کی دلیل ہے اور اسے بیان کرنا دعوت دین کا تقاضا ہے۔ چوتھا استدلال یہ کہ عقل و نقل کے درمیان تعارض کا خاتمہ ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے، اور سائنسی تفسیر یہی خدمت انجام دیتی ہے کہ جدید ذہن کو قرآن سے مانوس کردے۔

ناقدین کے اعتراضات

دوسری طرف متعدد بڑے علماء نے اس رجحان پر تنقید کی ہے۔ امام شاطبی نے الموافقات میں اس اصول کی بنیاد رکھی کہ قرآن امی قوم کی زبان اور ان کے فہم کے مطابق نازل ہوا ہے اور اسے ان علوم کا تابع نہیں بنایا جاسکتا جو اس کے مخاطبین کے لیے اجنبی تھے۔ شیخ محمد عبدہ کے مکتب کے بعض حلقے اور شیخ محمود شلتوت جیسے مفتیان نے کہا کہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے، سائنس کی درسی کتاب نہیں؛ اس کا مقصد انسان کو اللہ کی طرف لے جانا ہے نہ کہ طبیعات پڑھانا۔ ناقدین کا سب سے وزنی اعتراض یہ ہے کہ سائنسی نظریات متبدل ہوتے ہیں؛ جو نظریہ آج مسلم ہے کل غلط ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر آیت کی مراد اس نظریے سے باندھ دی جائے تو نظریے کے بطلان سے نعوذ باللہ آیت پر حرف آئے گا۔ مزید یہ کہ اس رجحان کے بعض نمائندوں نے آیات کی دور از کار تاویلیں کرکے متن کا حسن مجروح کیا ہے اور تفسیر کو سائنسی انسائیکلوپیڈیا بنادیا ہے، جس سے قرآن کا اصل ہدایتی مقصد پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی تفہیم القرآن میں جذوی اعجاز علمی کے دعوؤں میں احتیاط برنے کی تلقین کی ہے۔

متوازن جائزہ اور شرائط

محققین کا متوازن موقف یہ ہے کہ سائنسی حقائق سے قرآنی آیات کی توضیح میں مدد لینا فی نفسہٖ ممنوع نہیں، بشرطیکہ چند شرائط کی پابندی کی جائے۔ پہلی شرط یہ کہ جس سائنسی حقیقت کو بنیاد بنایا جائے وہ ثابت شدہ اور قطعی ہو، محض نظریہ یا مفروضہ نہ ہو۔ دوسری شرط یہ کہ سائنسی بیان کو آیت کی واحد اور لازمی مراد قرار نہ دیا جائے بلکہ ایک ممکنہ توضیح یا مصداق کے طور پر پیش کیا جائے۔ تیسری شرط یہ کہ آیت کے وہ مفاہیم مقدم رکھے جائیں جو لغت، سیاق اور مأثور تفسیر سے ثابت ہیں۔ چوتھی شرط یہ کہ تفسیر کا اصل مقصد ہدایت رہے اور سائنسی بحث اس کی خادم ہو، حاکم نہ بنے۔ ان شرائط کے ساتھ اعجاز علمی کا بیان دعوت و تبلیغ میں مفید ثابت ہوسکتا ہے، کیونکہ جدید ذہن کے لیے یہ قرآن کی حقانیت کی ایک جھلک پیش کرتا ہے۔ لیکن شرائط سے آگے بڑھ کر ہر آیت کو سائنسی تجربہ گاہ کی چیز بنادینا قرآن اور سائنس دونوں کے ساتھ زیادتی ہے۔

نتیجہ

نتیجتاً کہا جاسکتا ہے کہ تفسیر کا علمی رجحان جدید دور کے تمدنی و سائنسی چیلنج کے جواب میں پیدا ہونے والا ایک اہم رجحان ہے جس نے قرآن اور جدید ذہن کے درمیان پل بنانے کی کوشش کی اور ایک طبقے کو قرآن سے مانوس کرنے میں کردار ادا کیا۔ اس کی بنیادی کمزوری سائنسی نظریات کے تغیر پذیری پر ایمان کے سرمائے کو داؤ پر لگانا ہے، اور اس کی خوبی قرآن کی آیات کونیہ کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ قرآن کو ہدایت کی کتاب کے طور پر پڑھا جائے، آیات کونیہ سے اللہ کی قدرت پر ایمان مضبوط کیا جائے اور قطعی سائنسی حقائق کو اعتدال کے ساتھ توضیح میں استعمال کیا جائے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

| 2قرآن کا ظاہر و باطن اور تفسیر صوفی کی نمائندہ تفاسیر 20) نمبر(

سوال نمبر2 ۔ قرآن مجید کے ظاہر اور باطن کی مراد کی توضیح کیجیے اور تفسیر صوفی کی نمائندہ تفاسیر تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

قرآن مجید کے مفاہیم کی گہرائی کے بارے میں قدیم سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ کیا آیات کے صرف وہی معنی مراد ہیں جو الفاظ سے ظاہر ہوتے ہیں، یا ان کے پس پردہ کچھ اور گہرے مفاہیم بھی پوشیدہ ہیں جن تک ارباب ذوق و معرفت پہنچتے ہیں۔ اسی بحث سے قرآن کے" ظاہر "اور" باطن "کی اصطلاحات سامنے آئیں اور اسی بنیاد پر تفسیر کی ایک مستقل شاخ" تفسیر صوفی "وجود میں آئی، جسے تفسیر اشاری بھی کہا جاتا ہے۔ صوفیاء کا دعویٰ ہے کہ قرآن کے الفاظ کی ظاہری سطح کے نیچے معانی کا ایک بحر بے کراں ہے جو اہل دل کو کشف و ذوق سے حاصل ہوتا ہے۔ اس دعوے کو علماء کے ایک طبقے نے سخت تنقید کا نشانہ بھی بنایا ہے، خصوصاً جب باطن کا دعویٰ ظاہر کی نفی پر مبنی ہو۔ ذیل میں ظاہر و باطن کی مراد، ان کے دلائل، اشاری تفسیر کی شرائط و اقسام اور نمائندہ صوفی تفاسیر کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر کی مراد

قرآن کے ظاہر سے مراد آیات کے وہ مفاہیم ہیں جو عربی لغت، نحوی ترکیب، سیاق و سباق اور قواعد شریعت کی روشنی میں الفاظ سے براہ راست سمجھے جاتے ہیں اور جن تک ہر وہ شخص پہنچ سکتا ہے جو زبان و اصول سے واقف ہو۔ ظاہری مفہوم ہی شریعت کے احکام کی بنیاد ہے؛ نماز، روزہ، زکاۃ، حدود اور معاملات کے تمام احکام اسی ظاہر سے لیے جاتے ہیں۔ اہل سنت کے تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ ظاہر کا انکار یا اس کی تحریف جائز نہیں، کیونکہ اگر ظاہر معتبر نہ رہے تو شریعت کی پوری عمارت منہدم ہوجائے اور ہر شخص آیات سے اپنی مرضی کے معنی نکالنے لگے۔ ظاہر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پوری عملی زندگی انہی ظاہری مفاہیم پر قائم تھی۔ البتہ ظاہر سے مراد صرف سطحی ترجمہ نہیں بلکہ وہ مکمل مفہوم ہے جو اصول تفسیر، اسباب نزول اور سیاق کی روشنی میں متعین ہوتا ہے۔

باطن کی مراد

باطن سے مراد آیات کے وہ لطیف مفاہیم و اشارات ہیں جو ظاہری مفہوم کے پس منظر میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور جن کا ادراک لغت و قواعد کے ساتھ ساتھ قلبی صفائی، روحانی ریاضت اور ذوق سلیم سے ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں صحابہ سے یہ اثر منقول ہے کہ ہر آیت کا ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بعض آیات کی ایسی گہری تفسیر کرتے تھے جس کی طرف عام ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا۔ امام غزالی نے اس تصور کو یہ کہہ کر بیان کیا ہے کہ قرآن کے الفاظ کے خول کے اندر مغز بھی ہے اور مغز کا مغز بھی، یعنی معانی کی تہیں ہیں جن تک رسائی مراتب کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی तरह مشہور حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ قرآن کے ظاہر و باطن، حد اور مطلع ہیں۔ تاہم محققین نے واضح کیا ہے کہ مقبول باطن وہی ہے جو ظاہر کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کی تائید یا اس سے آگے کی روحانی منزل ہو؛ جو مفہوم ظاہر کو باطل کردے وہ باطنیت ہے جو باطنی فرقوں کا شیوہ رہا ہے اور اہل سنت کے نزدیک مردود ہے۔

ظاہر و باطن کے باہمی تعلق کا درست تصور

ظاہر و باطن کے سلسلے میں درست اور متوازن تصور یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ تکمیلی ہیں۔ ظاہر جسم ہے اور باطن اس کی روح؛ جسم کے بغیر روح کا قیام ممکن نہیں اور روح کے بغیر جسم مردہ ہے۔ مثال کے طور پر نماز کا ظاہر اس کے ارکان و شرائط ہیں اور اس کا باطن حضور قلب، خشوع اور اللہ سے مناجات کی کیفیت ہے۔ روزے کا ظاہر کھانے پینے سے رک جانا ہے اور اس کا باطن نفس کی خواہشات پر قابو اور تقویٰ کی تربیت ہے، جس کی طرف خود قرآن نے" لعلکم تتقون "کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح حج کے مناسک کے ظاہری اعمال کے پیچھے قربانی، اخوت اور اللہ کی وحدانیت کے نفسی و سماجی اسرار موجود ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک سالک جب ظاہری عمل کو اس کے باطنی شعور کے ساتھ انجام دیتا ہے تو عمل میں زندگی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ تصور شریعت و طریقت کے اجتماع کی بنیاد ہے جسے امام غزالی اور شاہ ولی اللہ جیسے علماء نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

تفسیر صوفی) اشاری تفسیر (کی تعریف اور اقسام

جب مفسر آیات کے ظاہری مفہوم کے ساتھ ساتھ ان اشارات و لطائف کو بھی بیان کرتا ہے جو اہل ذوق پر منکشف ہوتے ہیں تو اسے تفسیر صوفی یا تفسیر اشاری کہا جاتا ہے۔ علماء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں۔ پہلی قسم" تفسیر اشاری "ہے جس میں صوفی مفسر آیت کے ظاہری معنی کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے روحانی و اخلاقی اشارات اخذ کرتا ہے؛ یہ قسم شرائط کے ساتھ علماء کے نزدیک مقبول رہی ہے۔ دوسری قسم" تفسیر نظری "یا باطنی تاویل ہے جس میں آیت کی مراد ہی وہ خاص فلسفیانہ یا وحدت الوجودی تصور قرار دیا جاتا ہے جسے مفسر اپنے مکتب فکر سے لیتا ہے؛ اس قسم پر سخت تنقید ہوئی ہے کیونکہ اس میں بسا اوقات ظاہر نظر انداز ہوجاتا ہے۔ علامہ ذہبی نے" التفسیر والمفسرون "میں اسی تقسیم کی بنیاد پر صوفی تفاسیر کا جائزہ لیا ہے اور اشاری تفسیر کو، شرائط کے ساتھ، جائز اور نظری تاویل کو محل نظر قرار دیا ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی اشارات کے اس حصے کو قبول کیا جو شریعت سے متصادم نہ ہو۔

اشاری تفسیر کی شرائط

علماء نے اشاری تفسیر کی قبولیت کے لیے چار شرائط ذکر کی ہیں جو امام زرکشی اور امام سیوطی کی کتب میں ملتی ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ اشاری معنی آیت کے ظاہری معنی کے منافی نہ ہو۔ دوسری شرط یہ کہ اس اشاری معنی کی تائید میں کوئی شرعی یا لغوی دلیل موجود ہو، یعنی وہ بالکل بدیع و من گھڑت نہ ہو۔ تیسری شرط یہ کہ مفسر یہ دعویٰ نہ کرے کہ آیت کی مراد صرف یہی اشاری معنی ہے اور ظاہری معنی مراد نہیں۔ چوتھی شرط یہ کہ اس تاویل میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو جو اسے قبول کرنے سے مانع ہو، مثلاً شریعت کے قطعی احکام سے تصادم۔ ان شرائط کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ سورۂ نور کی آیت" اللہ نور السماوات والارض "سے اہل اشارت نے قلب مؤمن میں نور ایمان کے مراتب اخذ کیے ہیں، جو ظاہری مفہوم کی تکمیل ہے نہ کہ اس کی نفی۔ اس کے برعکس باطنی فرقوں نے نماز، روزہ اور حج کی ایسی تاویلیں کیں جن سے ظاہری عبادات ہی ساقط ہوگئیں؛ وہ تمام شرائط کی خلاف ورزی کی وجہ سے مردود ہیں۔

نمائندہ صوفی) اشاری (تفاسیر

کتاب	مصنف
حقائق التفسیر	ابو عبدالرحمن سلمی412) ھ(
لطائف الاشارات	امام ابوالقاسم قشیری465) ھ(
تفسیر التستری	سہل بن عبداللہ تستری283) ھ(
عرائس البیان فی حقائق القرآن	روزبہان بقلی شیرازی606) ھ(
روح المعانی) اشارات سمیت(	علامہ محمود آلوسی1270) ھ(

نمائندہ صوفی تفاسیر کا تعارف

صوفی تفاسیر میں سب سے قدیم نمائندہ کتاب حضرت سہل بن عبداللہ تستری) وفات283 ھ (کی تفسیر ہے جس میں آیات سے مختصر مگر گہرے روحانی اشارات کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد ابو عبدالرحمن سلمی) وفات412 ھ (نے" حقائق التفسیر "میں مشائخ صوفیہ کے اشارات جمع کیے جو اس فن کی بنیادی ماخذ بنی۔ امام ابوالقاسم قشیری) وفات465 ھ (کی" لطائف الاشارات "اشاری تفسیر کا شاہکار ہے؛ قشیری صاحب شریعت و طریقت کے جامع تھے اس لیے ان کے اشارات اعتدال اور شرعی پابندی کی عمدہ مثال ہیں۔ روزبہان بقلی شیرازی) وفات606 ھ (کی" عرائس البیان "میں عشق و معرفت کے گہرے نکتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی سے منسوب تفسیر اور ان کے افکار پر مبنی" تفسیر القرآن الکریم "نظری تفسیر کی نمائندگی کرتی ہے جس پر علماء کی آراء مختلف رہی ہیں۔ متاخرین میں علامہ آلوسی کی" روح المعانی "میں ہر مقام پر ظاہری تفسیر کے بعد ابن عربی و دیگر کے اشارات نقل کیے گئے ہیں، جس نے اشاری روایت کو جامع تفسیر کا حصہ بنادیا۔ برصغیر میں حضرت اشرف علی تھانوی کی" بیان القرآن "میں بھی جابجا صوفیانہ اشارات ملتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کا ظاہر اس کے شرعی مفاہیم کی بنیاد ہے اور باطن اس کی روحانی گہرائی کا نام ہے؛ درست تصور میں دونوں ایک دوسرے کے تکمیلی ہیں۔ اشاری تفسیر اسی باطنی گہرائی کو بیان کرنے کا فن ہے جو شرائط کے ساتھ امت کے بڑے علماء و صوفیاء کے ہاں مقبول رہا ہے اور قشیری و سلمی جیسی کتب اس کی نمائندہ ہیں۔ لیکن جہاں باطن کے

نام پر ظاہر کا انکار کیا جائے یا عبادات ساقط کی جائیں وہاں وہ قابل قبول باطن نہیں بلکہ باطنیت ہے، جس کا رد کرنا علماء نے ہمیشہ ضروری سمجھا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ پہلے ظاہری تفسیر میں پختگی حاصل کرے، پھر اہل ذوق کے اشارات سے روحانی فائدہ اٹھائے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com
AIOU LIBRARY

| 3امامیہ اثنا عشریہ :تعارف، تعلیمات اور موقفِ تفسیر 20) نمبر(

سوال نمبر3 ۔ امامیہ اثنا عشریہ کا تعارف، اہم تعلیمات اور تفسیر کے بارے میں ان کے موقف کی توضیح کیجیے۔(20)

تعارف

اسلام کے بڑے فرقوں میں سے ایک اہم فرقہ" امامیہ اثنا عشریہ "ہے جسے عام طور پر شیعہ اثنا عشری بھی کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ ایران، عراق، لبنان، بحرین، آذربائیجان اور وسطی ایشیا سمیت دنیا کے کئی خطوں میں پایا جاتا ہے اور شیعہ آبادی کی اکثریت اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس فرقے کی بنیاد عقیدۂ امامت پر ہے، یعنی ان کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی دینی و سیاسی قیادت کا حق ان ائمہ کو حاصل ہے جن کی امامت نص سے ثابت ہے اور جن کی تعداد بارہ ہے۔ اسی بارہ کی نسبت سے انہیں" اثنا عشریہ "کہا جاتا ہے۔ علمی مطالعے کے لیے اس فرقے کی تعلیمات اور تفسیر قرآن کے بارے میں ان کے موقف کو سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ ان کی تفسیری روایات نے اسلامی فکر کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ذیل میں اس فرقے کا تاریخی تعارف، بارہ ائمہ کا اجمالی ذکر، اہم تعلیمات اور تفسیر کے سلسلے میں ان کا موقف غیر جانبدارانہ علمی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

تاریخی پس منظر اور بارہ ائمہ

امامیہ کے نزدیک امامت کا سلسلہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتا ہے جنہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا وصی و جانشین مانتے ہیں۔ اس کے بعد بالترتیب حضرت حسن، حضرت حسین، علی زین العابدین، محمد باقر، جعفر صادق، موسیٰ کاظم، علی رضا، محمد تقی، علی نقی، حسن عسکری رضی اللہ عنہم کو امام مانتے ہیں۔ بارہویں امام ان کے نزدیک محمد بن حسن العسکری ہیں جنہیں وہ" المہدی المنتظر "مانتے ہیں اور جن کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بچپن ہی میں غیبت میں چلے گئے تھے۔ غیبت کی دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں :غیبت صغریٰ جس میں چار نواب) سفراء (کے ذریعے رابطہ رہا، اور غیبت کبریٰ جو329 ھ سے جاری ہے اور قیامت کے قریب ان کے ظہور تک رہے گی۔ اسی دوران فقہاء کو ان کا عام نائب سمجھا جاتا ہے۔ امام جعفر صادق رحمہ اللہ اس سلسلے کی نمایاں ترین علمی شخصیت ہیں جن کی نسبت سے اس فرقے کی فقہ کو" فقہ جعفری "بھی کہا جاتا ہے۔

اہم تعلیمات :عقیدۂ امامت اور عصمت

امامیہ اثنا عشریہ کی تعلیمات کا مرکز عقیدۂ امامت ہے۔ ان کے نزدیک امامت اصول دین میں سے ہے اور امام کا تقرر اللہ کی طرف سے نص کے ذریعے ہوتا ہے، امت کے انتخاب سے نہیں۔ ان کے دلائل میں قرآن کی آیت ابتلاء ابراہیم، آیت ولایت)مائدہ (55 :اور حدیث غدیر و حدیث ثقلین کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی سے متصل دوسرا اہم عقیدہ ائمہ کی عصمت ہے، یعنی ان کے نزدیک ائمہ نبی کی طرح گناہ و خطا سے معصوم ہوتے ہیں اور ان کا قول و فعل حجت شرعی ہے۔ تیسری اہم تعلیم توحید و عدل کو اصول دین میں شامل کرنا ہے؛ وہ اللہ کی صفات اور افعال بندوں کے بارے میں معتزلہ سے قریب موقف رکھتے ہیں جسے" عدلیہ "کی اصطلاح سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ چوتھی تعلیم عقیدۂ رجعت و مہدویت ہے جس کے مطابق بارہویں امام کا ظہور آخر زمانے میں ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔ پانچویں خصوصیت تقیہ کا عقیدہ ہے جس کے تحت جان و مال کے خوف کی صورت میں اپنے عقیدے کو چھپانا جائز سمجھا جاتا ہے۔

اہم تعلیمات :فقہی و عملی خصوصیات

فقہی میدان میں امامیہ کی نمایاں خصوصیات میں یہ شامل ہیں کہ وہ قرآن و سنت کے ساتھ ائمہ کے اقوال کو بھی مستقل ماخذ مانتے ہیں اور حدیث کی اپنی الگ کتب رکھتے ہیں جن میں الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام اور الاستبصار شامل ہیں، جنہیں" کتب اربعہ "کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا سمجھا جاتا ہے اور غیبت کے دور میں مراجع تقلید کی طرف رجوع کیا جاتا ہے؛ متاخر دور میں" ولایت فقیہ "کا نظریہ بھی پیش ہوا جس کے تحت فقیہ کو نیابت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ خمس کی ادائیگی میں وہ غنیمت کا مفہوم وسیع لیتے ہیں اور کاروباری منافع پر بھی خمس واجب سمجھتے ہیں جس کا ایک حصہ سادات اور ایک حصہ امام کے نائب یعنی مرجع کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ متعہ کو شرعی طور پر جائز سمجھتے ہیں، اذان میں" حی علی خیر العمل "اور شہادت ثالثہ کا اضافہ کرتے ہیں، اور نماز میں سجدہ گاہ کے استعمال اور ماتم و عزاداری کی مجالس کو اپنے مذہبی تشخص کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ یہ خصوصیات ان کی جداگانہ مذہبی شناخت کو واضح کرتی ہیں۔

تفسیر کے بارے میں امامیہ کا موقف

تفسیر قرآن کے بارے میں امامیہ کا بنیادی موقف یہ ہے کہ قرآن کے حقیقی مفسر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ اہل بیت ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کی درست تاویل کا علم انہی کو عطا ہوا ہے۔ اسی بنا پر ان کی قدیم تفسیری روایت کا بڑا حصہ ائمہ سے منقول روایات پر مشتمل ہے جنہیں وہ تفسیر بالماثور کی اصل صورت سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں قرآن کے ظاہر کے ساتھ باطن کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے اور بہت سی آیات کی تاویل اہل بیت کی طرف کی جاتی ہے؛ مثلاً آیات ولایت، آیت تطہیر اور آیت مباہلہ کی تشریح میں یہ رنگ نمایاں ہے۔ قرآن کی جمع و ترتیب کے بارے میں ان کے متاخر اور مشہور علماء، مثلاً علامہ طباطبائی اور شیخ طبرسی، نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ موجودہ قرآن محفوظ اور تحریف سے پاک ہے، اگرچہ ان کی بعض قدیم روایتی کتب میں اس سے مختلف روایات بھی پائی جاتی ہیں جن کی تشریح میں ان کے اپنے علماء کے درمیان بحث رہی ہے۔ عصمت ائمہ کا عقیدہ ان کی تفسیر کا مرکزی اصول ہے جس کی وجہ سے ان کی تفسیری روایات کا دائرہ اہل سنت کی روایات سے جدا ہوجاتا ہے۔

نمائندہ امامی تفاسیر

امامیہ کی نمائندہ تفاسیر میں سب سے قدیم علی بن ابراہیم قمی کی" تفسیر قمی "اور محمد بن مسعود عیاشی کی" تفسیر عیاشی "ہیں جو روایتی و اثری رنگ رکھتی ہیں۔ شیخ طوسی) وفات460 ھ (کی" التبیان فی تفسیر القرآن "پہلی جامع امامی تفسیر سمجھی جاتی ہے جس میں انہوں نے لغت، نحو اور کلامی مباحث کو بھی جگہ دی اور نسبتاً اعتدال کا منہج اختیار کیا۔ ان کے شاگرد شیخ طبرسی) وفات548 ھ (کی" مجمع البیان "اس فرقے کی سب سے مقبول اور محققانہ تفسیر ہے جس سے اہل سنت کے علماء نے بھی استفادہ کیا ہے۔ ملا محسن فیض کاشانی کی" تفسیر الصافی "روایات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ جدید دور کی سب سے مشہور امامی تفسیر علامہ سید محمد حسین طباطبائی کی" المیزان فی تفسیر القرآن "ہے جو بیس جلدوں میں ہے؛ اس کا منہج تفسیر القرآن بالقرآن ہے اور اس میں فلسفیانہ و سماجی مباحث بھی گہرائی سے آئے ہیں، اور اسے امامی دنیا میں غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ یہ تفاسیر امامی فکر کی ارتقائی صورت کو ظاہر کرتی ہیں جن میں روایت سے آغاز ہوکر عقلی و قرآنی منہج تک کا سفر نظر آتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ امامیہ اثنا عشریہ شیعہ اسلام کا سب سے بڑا فرقہ ہے جس کی شناخت عقیدۂ امامت، ائمہ کی عصمت، بارہ ائمہ پر ایمان اور مہدی منتظر کی غیبت و ظہور جیسے عقائد سے قائم ہے۔ تفسیر کے میدان میں ان کا موقف ائمہ اہل بیت کو قرآن کا مستند مفسر ماننے پر مبنی ہے، جس کی وجہ سے ان کی تفسیری روایت روایات اہل بیت اور تاویل باطن کے گرد گھومتی ہے، تاہم طوسی، طبرسی اور طباطبائی جیسے مفسرین نے اسے جامع علمی صورت بھی دی۔ اس فرقے کا مطالعہ طالب علم کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ مسلم دور کی فکری تاریخ اور تفسیری ادب کا بڑا حصہ اسی پس منظر کے بغیر مکمل طور پر سمجھ میں نہیں آتا، اور علمی اختلاف کو سمجھنا بھی دیانت داری کے ساتھ ممکن ہوتا ہے جب ہر فریق کا موقف اس کے اپنے ماخذ سے بیان کیا جائے۔

| 4اخوان الصفا اور ابن سینا کے طرزِ تفسیر کا تجزیہ 20) نمبر(

سوال نمبر4 ۔ اخوان الصفا اور ابن سینا کے طرزِ تفسیر کا تجزیہ پیش کیجیے۔(20)

تعارف

تفسیر قرآن کی تاریخ میں ایک منفرد باب ان مفکرین کا ہے جنہوں نے قرآن کو فلسفے اور عقلی علوم کی روشنی میں سمجھنے و سمجھانے کی کوشش کی۔ چوتھی صدی ہجری میں بصرہ سے اٹھنے والی خفیہ علمی انجمن" اخوان الصفا "اور پانچویں صدی کے عظیم فلسفی شیخ الرئیس ابن سینا اس باب کے دو سب سے نمائندہ نام ہیں۔ دونوں کا طرز تفسیر روایتی مفسرین سے بالکل مختلف تھا :وہ آیات کے ظاہری مفاہیم پر اکتفا کرنے کے بجائے ان کے پیچھے موجود عقلی و فلسفیانہ حقائق تلاش کرتے تھے اور ظاہری بیانات کو عوام کے لیے دی گئی تمثیلات سمجھتے تھے۔ اس منہج کو "فلسفیانہ تاویل "کہا جاتا ہے۔ اس سوال میں پہلے اخوان الصفا کا تعارف اور ان کا طرز تفسیر، پھر ابن سینا کا تعارف اور اس کا تفسیر و تاویل کا منہج بیان کیا جائے گا، اور آخر میں دونوں کا تنقیدی و تقابلی تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

اخوان الصفا :تعارف

اخوان الصفا و خلان الوفا بصرہ میں قائم ہونے والی ایک خفیہ علمی و فکری انجمن تھی جس کے ارکان اپنی شناخت چھپاتے تھے۔ انہوں نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں باون رسالوں پر مشتمل ایک علمی انسائیکلوپیڈیا" رسائل اخوان الصفا "مرتب کیا جس میں ریاضی، فلکیات، طبیعات، نفسیات، منطق، الٰہیات اور اخلاق سمیت اس دور کے تمام علوم جمع کردیے گئے۔ اس جماعت کا مقصد دین اور فلسفے کو باہم ہم آہنگ کرنا اور ان کے نزدیک شریعت کو فلسفیانہ حکمت سے پاک و روشناس کرانا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ شریعت عوام کی سطح کے مطابق تمثیلی زبان میں آئی ہے اور حکمت اس کی حقیقت ہے۔ رسائل میں قرآن مجید کی آیات بکثرت بطور استشہاد پیش کی گئی ہیں اور بہت سے مقامات پر ان کی ایسی تاویلیں کی گئی ہیں جو روایتی تفسیر سے مختلف ہیں۔ محققین کے نزدیک اس جماعت کے فکری روابط اسماعیلی فکر سے قریب سمجھے جاتے ہیں، اگرچہ اس پر اختلاف بھی ہے۔ بہرحال اسلامی فکر میں فلسفیانہ تاویل کی منظم صورت سب سے پہلے انہی رسائل میں نظر آتی ہے۔

اخوان الصفا کا طرزِ تفسیر

اخوان الصفا کے طرز تفسیر کی پہلی خصوصیت تاویل رمزی ہے؛ وہ جنت و جہنم، ملائکہ، حور و قصور اور بعث بعد الموت جیسے امور کو دراصل روحانی حقائق کی تمثیلات قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک قصص قرآنی، مثلاً قصہ آدم و ابلیس، تاریخی واقعات سے زیادہ نفس انسانی کی داخلی کیفیات کی علامتیں ہیں۔ دوسری خصوصیت عددی تاویل ہے جو فیثاغورثی اثرات کا نتیجہ تھی؛ وہ اعداد کو کائنات کا راز سمجھتے ہوئے قرآنی امور کو بھی اعداد کے نظام سے جوڑتے تھے۔ تیسری خصوصیت انسان کو عالم اصغر اور کائنات کو عالم اکبر قرار دے کر دونوں کے درمیان مناسبت قائم کرنا ہے، جس کی روشنی میں آیات کونیہ کی تشریح کی جاتی تھی۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ہر مذہبی حکم کی ایک ظاہری صورت عوام کے لیے اور ایک عقلی حقیقت خواص کے لیے ہوتی ہے۔ اس منہج کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسائل میں تفسیر کا مطلب متن کی مراد واضح کرنے کے بجائے متن کو اپنے پہلے سے قائم فلسفیانہ نظام کی تائید میں استعمال کرنا بن گیا۔

ابن سینا :تعارف اور تاویل کا نظریہ

ابو علی حسین بن عبداللہ ابن سینا) وفات428 ھ (اسلامی فلسفے کی سب سے بڑی شخصیت ہیں جن کی" الشفاء "اور "القانون فی الطب "نے صدیوں تک مشرق و مغرب پر اثر ڈالا۔ ابن سینا کا دین و فلسفے کے تعلق کے بارے میں موقف یہ تھا کہ شریعت کے ظاہری بیانات عوام کی فہم کے مطابق تمثیل و رمز کی زبان میں ہیں، جبکہ ان کی حقیقت تک فلسفی عقل برہان سے پہنچتا ہے۔ اس نے نبوت کے اثبات اور معجزات و وحی کی عقلی توجیہ پر رسائل لکھے اور قرآن کی بعض سورتوں، خصوصاً سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی فلسفیانہ شرح بھی قلمبند کی، اور" الاشارات والتنبیہات " کے آخر میں عارفین کے مقامات کی بحث میں قرآنی تصورات کی باطنی تشریح پیش کی۔ اس کے نزدیک نبی کی قوت متخیلہ حقائق کو محسوس صورتوں میں ڈھال کر پیش کرتی ہے؛ پس مفسر فلسفی کا کام یہ ہے کہ وہ ان صورتوں کو کھول کر ان کے عقلی مضامین تک پہنچے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر اس کا پورا طرز تفسیر قائم ہے۔

ابن سینا کے طرزِ تفسیر کی خصوصیات اور مثالیں

ابن سینا کے طرز تفسیر کی نمایاں خصوصیت عقلی و وجودی تاویل ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص کی شرح میں اس نے" الصمد "کی ایسی تشریح کی ہے جو واجب الوجود کی فلسفیانہ بحث سے جڑتی ہے اور اللہ کی ذات کو ہر قسم کی ترکیب و احتیاج سے منزہ قرار دینے پر مرکوز ہے۔ سورۂ فلق و ناس کی تفسیر میں اس نے ان میں مذکور شرور کو نفس انسانی کی داخلی قوتوں اور خارجی اثرات سے منسلک قرار دے کر نفسیاتی و اخلاقی مراد نکالی ہے۔ اسی طرح اس کے نزدیک ملائکہ دراصل مفارق عقول ہیں اور وحی اتصال نفس نبی بالعقل الفعال کا نام ہے۔ ابن سینا کی تاویل اخوان الصفا کے مقابلے میں زیادہ منظم اور برہانی ہے؛ وہ ہر جگہ اپنے فلسفی نظام، یعنی واجب و ممکن، عقول عشرہ اور فیض کے تصورات، کو بنیاد بناتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ بظاہر اس بات کا قائل ہے کہ ظاہری احکام و عبادات عوام کی مصلحت کے لیے بعینہ مطلوب ہیں اور انہیں ترک نہیں کیا جاسکتا، فلسفی بھی شریعت کے ظاہر کا پابند ہے۔

تنقیدی تجزیہ

دونوں کے طرز تفسیر پر علماء نے بنیادی تنقید یہ کی ہے کہ یہ منہج قرآن سے اپنے نظریات کشید کرنے کے بجائے پہلے سے طے شدہ فلسفی نظریات کو قرآن پر مسلط کرتا ہے؛ یوں تفسیر تفسیر نہیں رہتی بلکہ متن کا اپنے نظام میں انضمام بن جاتی ہے۔ امام غزالی نے" تہافت الفلاسفہ "میں فلاسفہ کے تین مسائل پر تکفیر تک کا فتویٰ دیا اور" فیصل التفرقہ "میں تاویل کے درجات بیان کرکے حد مقرر کی کہ جس تاویل سے ظاہر کی تکذیب لازم آئے وہ کفر ہے۔ امام ابن تیمیہ نے درء تعارض العقل والنقل میں اس پورے منہج کا مفصل رد کیا اور کہا کہ صحابہ و سلف کی تفسیر سے اختلاف رکھنے والی یہ تاویلیں دراصل تحریف ہیں۔ تنقید کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر آیات کو صرف رمز و تمثیل مان لیا جائے تو شریعت کے احکام اور آخرت کے حقائق کا یقینی درجہ ختم ہوجاتا ہے اور دین فلسفیوں کے اشاروں کا محتاج ہوجاتا ہے۔ اس کے باوجود یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ ان مفکرین کی کوشش نے اسلامی فکر میں عقل کے استعمال کی نئی راہیں کھولیں اور ابن رشد سمیت بعد کے اہل فکر نے اسی بحث کو آگے بڑھا کر دین و فلسفہ کے تعلق پر مستقل ادب پیدا کیا۔

تقابلی جائزہ اور نتیجہ

تقابلی طور پر اخوان الصفا اور ابن سینا دونوں ظاہر کو حقیقت کا حامل نہیں بلکہ حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں، دونوں کے ہاں تاویل کا محرک دین و فلسفہ کی تطبیق ہے، اور دونوں عوام و خواص کی تقسیم کے قائل ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اخوان الصفا کا اسلوب اجتماعی، ادبی اور تبلیغی ہے اور ان کی تاویل میں عددی و فلکیاتی رموز نمایاں ہیں، جبکہ ابن سینا کا اسلوب فردی، برہانی اور منظم فلسفیانہ ہے جس میں نفسیات و مابعد الطبیعات کی اصطلاحات غالب ہیں۔ اخوان الصفا کا اثر اسماعیلی و صوفی حلقوں پر زیادہ ہوا، جبکہ ابن سینا نے پورے مشرقی فلسفے اور بعد میں لاطینی مغرب کو بھی متاثر کیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا طرزِ تفسیر اسلامی فکری تاریخ کی اہم کڑی ضرور ہے، لیکن اہل سنت کے اصول تفسیر کے معیار پر یہ تفسیر نہیں بلکہ تاویلِ فلسفی ہے جسے قرآن کی مراد قرار نہیں دیا جاسکتا؛ البتہ اس کا مطالعہ اس لیے مفید ہے کہ اس سے مسلمانوں کی فکری کشمکش اور تفسیر کے حدود کی بحث سمجھ میں آتی ہے۔

| 5خوارج کا موقفِ تفسیر، تفسیری خدمات اور نمائندہ تفاسیر 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔ تفسیر سے متعلق خوارج کا موقف، خوارج کی تفسیری خدمات اور ان کی نمائندہ تفاسیر لکھیے۔(20)

تعارف

خوارج اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا منظم فرقہ ہے جو جنگ صفین کے بعد واقعہ تحکیم کے ردعمل میں وجود میں آیا۔ اس فرقے کی شناخت اس کے مشہور نعرے" لا حکم الا للہ "سے ہے، جس کا مطلب تھا کہ حکم و فیصلے کا اختیار صرف اللہ کو ہے اور انسانوں کو قرآن کے مقابل کسی تحکیم کا حق نہیں۔ خوارج اپنے آپ کو قرآن کے سب سے سچے پیروکار سمجھتے تھے؛ وہ راتوں کو عبادت اور تلاوت میں گزارنے والے لوگ تھے جن کے بارے میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عبادت گزاری کا تذکرہ فرمایا تھا۔ لیکن قرآن کے فہم میں ان کا مخصوص رویہ تھا جس نے ان کی تفسیر کو ایک جدا رنگ دیا اور امت کے بڑے حلقے نے اسے گمراہی کی بنیاد قرار دیا۔ ذیل میں خوارج کے ظہور کا پس منظر، تفسیر کے بارے میں ان کا موقف و اصول، ان کی تفسیری خدمات اور ان کی نمائندہ تفاسیر کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ظہور خوارج کا پس منظر

سن37 ھ میں جنگ صفین کے موقع پر جب شامی لشکر نے قرآن نیزوں پر اٹھائے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تحکیم کی تجویز آئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ بندی قبول کرلی۔ اس فیصلے سے ان کے لشکر کا ایک گروہ ناراض ہوگیا جس نے کہا کہ اللہ کے دین میں انسانوں کو حکم بنانا کفر ہے، کیونکہ قرآن میں واضح ہے کہ حکم صرف اللہ کا ہے۔ یہ لوگ حروراء نامی مقام پر الگ ہوگئے اسی لیے انہیں حروریہ بھی کہا جاتا ہے، اور چھڑنے کی بنا پر خوارج کہلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے انہیں سمجھایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے مناظرہ کیا جس کے نتیجے میں ہزاروں واپس آگئے، مگر باقی ماندہ نے نہروان کے مقام پر جنگ کی جس میں اکثر مارے گئے۔ اس کے بعد خوارج مختلف شاخوں میں بٹ گئے جن میں ازارقہ، نجدات، صفریہ اور اباضیہ مشہور ہیں۔ ان سب میں اعتدال کے سب سے قریب اباضیہ رہے جو آج تک عمان اور شمالی افریقہ کے بعض علاقوں میں موجود ہیں اور انہی کی تفسیری روایت ہم تک منظم صورت میں پہنچی ہے۔

تفسیر کے بارے میں خوارج کا موقف

تفسیر کے بارے میں خوارج کے موقف کی بنیاد قرآن کے ظاہر پر سختی سے جم جانا تھا۔ ان کا پہلا اصول یہ تھا کہ قرآن کا ظاہری مفہوم ہی حجت ہے اور اس کی تاویل کرنے کا کسی کو حق نہیں، اسی بنا پر انہوں نے تحکیم کو بھی آیات کے ظاہر کے خلاف سمجھ کر رد کیا۔ دوسرا اصول یہ تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر اور واجب القتل ہے؛ اس کی بنیاد انہوں نے آیات وعید کے عموم کو بنایا، مثلاً جس نے جان بوجھ کر مؤمن کو قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے، اور انہوں نے ایسی آیات کو ہر گنہگار کے لیے قطعی سمجھا۔ تیسرا اصول امامت کے بارے میں یہ تھا کہ امام کا قریشی یا عرب ہونا شرط نہیں، کوئی بھی متقی مسلمان امام بن سکتا ہے، اور اگر امام ظلم کرے تو اس کے خلاف خروج واجب ہے۔ چوتھا نکتہ یہ کہ وہ قرآن کو ہی کافی سمجھنے کی طرف مائل تھے اور ان کی بعض شاخوں نے سنت و حدیث اور بعض فقہی احکام، مثلاً رجم، کو قرآنی ظاہر نہ ملنے کی وجہ سے تسلیم کرنے میں توقف کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے نعرے پر مشہور جملہ فرمایا تھا کہ یہ کلمۂ حق ہے مگر اس سے باطل مراد لیا گیا ہے، اور یہی جملہ ان کے پورے تفسیری رویے کی بہترین ترجمانی ہے :الفاظ قرآن کے، مگر فہم محدود اور تعمیم بے جا۔

خوارج کی فہم قرآن کی کمزوریاں

علماء نے خوارج کے تفسیری رویے کی بنیادی کمزوری یہ بتائی ہے کہ وہ آیات کو ان کے سیاق و سباق اور سنت کی روشنی سے کاٹ کر محض ظاہری الفاظ کی بنیاد پر حکم چلاتے تھے۔ انہوں نے آیات وعید کو تو لے لیا مگر آیات وعدہ و مغفرت کو نظر انداز کردیا، محکمات کو چھوڑ کر جزئی مقامات کو اصول بنالیا، اور عربی زبان کے اسالیب و محاورات سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ بہت سے مواقع پر لفظ کے ظاہر میں اٹک گئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یعنی تلاوت بکثرت ہوگی مگر فہم و عمل میں گہرائی نہ ہوگی۔ تفسیر کی تاریخ میں خوارج کا مطالعہ اس سبق کے لیے بھی پڑھایا جاتا ہے کہ محض ظاہر پرستی اور جزئی نگاہی بھی تاویل باطل کی طرح قرآن کے فہم میں گمراہی پیدا کرسکتی ہے؛ صحیح منہج وہی ہے جو ظاہر، سیاق، سنت اور مقاصد شریعت کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔

خوارج) اباضیه (کی تفسیری خدمات

تنقیدی جائزے کے ساتھ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ اسلامی تفسیر کی ابتدائی تشکیل میں اس حلقے سے وابستہ بعض شخصیات نے قابل ذکر کردار ادا کیا۔ حضرت جابر بن زید رحمہ اللہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد اور اباضیہ کے علمی امام سمجھے جاتے ہیں، تابعین کے بڑے مفسرین میں شمار ہوتے ہیں؛ ان کی تفسیری روایات طبری سمیت قدیم تفاسیر میں منقول ہیں۔ اباضی علماء نے قرآن کے حوالے سے لغوی و تفسیری مطالعے کی روایت کو عمان و مغرب میں زندہ رکھا اور قراءات و تفسیر پر کتب لکھیں۔ ان کی تفسیری خدمات میں قرآنی نص کی حفاظت و تدریس، ابتدائی دور کی روایات کی منتقلی اور اپنے مخصوص اصولوں کے تحت آیات احکام کی تشریح شامل ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ جہاں ازارقہ جیسی شاخیں شدت میں ختم ہوگئیں، وہاں اباضیہ نے علمی سنجیدگی اختیار کی اور ان کے علماء نے اہل سنت کے مفسرین کی کتب سے بھی استفادہ کیا، جس سے ان کی متاخر تفاسیر میں اعتدال رہتا گیا۔

نمائندہ تفاسیر

خوارج و اباضیہ کی نمائندہ تفاسیر میں سب سے قدیم و مشہور ہود بن محکم الہواری) تیسری صدی ہجری (کی" تفسیر کتاب اللہ العزیز "ہے جو چار جلدوں میں شائع ہوچکی ہے اور اباضی تفسیر کا بنیادی ماخذ ہے؛ اس میں اسلاف کی روایات اور اباضی اصولوں کے مطابق تشریح ملتی ہے۔ الجزائر اور عمان کے علماء نے بعد کے ادوار میں بھی تفسیری کام جاری رکھا۔ جدید دور کی سب سے مشہور اباضی تفسیر شیخ محمد بن یوسف اطفیش) وفات1332 ھ (کی" تیسیر التفسیر "ہے جو کئی جلدوں میں ہے اور اپنے مسلک کی ترجمانی کے ساتھ زبان و ادب کی بھی عمدہ خدمت ہے؛ ان کی ایک اور تفسیر" ھمیان الزاد الی دار المعاد "بھی معروف ہے۔ عمان کے مفتی شیخ احمد بن حمد الخلیلی کی تصانیف و دروس اور سالم بن حمود السیابی وغیرہ نے بھی اس روایت کو آگے بڑھایا۔ ان تفاسیر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اباضی مفسرین ظاہری مفہوم پر زور، عقلی استدلال کا استعمال اور اپنے فرقے کے اصولوں کی رعایت کو یکجا رکھتے ہیں، اور بہت سے مقامات پر ان کی تفسیر اہل سنت کی تفاسیر سے قریب بھی ہے۔

نتیجہ

اختتاماً کہا جاسکتا ہے کہ خوارج کا موقفِ تفسیر قرآن کے ظاہر پر غیر معمولی اصرار، تاویل کی مکمل نفی اور آیات وعید کے عموم سے تکفیر و خروج کے نتائج اخذ کرنے پر مبنی تھا، جسے امت کے جمہور علماء نے فہم قرآن کا درست منہج تسلیم نہیں کیا۔ تاہم اسی حلقے سے وابستہ اباضیہ نے تفسیر کی ایک باقاعدہ روایت قائم کی اور ہود بن محکم سے لے کر اطفیش تک نمائندہ تفاسیر پیش کیں جن کا مطالعہ تاریخ تفسیر کا لازمی حصہ ہے۔ اس موضوع کا سب سے بڑا درس یہ ہے کہ قرآن کا صحیح فہم ظاہر و سیاق، سنت اور مقاصد کے جامع امتزاج ہی سے حاصل ہوتا ہے؛ یک طرفہ ظاہر پرستی بھی گمراہی ہے اور بے بنیاد تاویل بھی۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com